جلد ۱۰ شمارہ ۱۶، ۲۰۲۳

Article

Shamim Hanfi's Creative Style of Criticism

شمیم حنفی کی تنقید نگاری کا تخلیقی اسلوب

Muhammad Shaukat *[1], Dr. Muhammad Khawar Nawazish[2]
[1] Ph.D. (Scholar), Department of Urdu, BZU Multan
[2] Associate Professor, Department of Urdu, BZU Multan
*Correspondence: shaukatshahidisss@gmail.com

[1] محمد شوکت، ڈاکٹر محمد خاور نوازش[2]

[1] سکالر پی ایچ ڈی اردو، شعبہ اردو، بہاؤالدین ذکریایونیورسٹی، ملتان، [2] ایسوسیٹ پروفیسر، شعبہ اردو، بہاؤالدین ذکریایونیورسٹی، ملتان

Abstract: Shamim Hanfi was a leading modern Urdu critic, dramatist, poet, translator, literary columnist and a playwright. He is prominently known especially in the field of modern Urdu criticism. He has authored a number of highly regarded books on literary criticism. He was knowledgeable scholar of Urdu, Hindi, English and local languages of India. He has profound view that theories should not be the major concern of literary criticism. In all the life, he emphasis and practice such type of literary criticism that has a creative experience, deep sense, historical, cultural, and civilizational synchronization and has the daily common realities of life. He is differ from his other contemporary critics like, Shams-Ur-Rehman Farooqi, Gopi Chand Narang, Kaleem-Uddin Ahmad, Waris Alvi, Ahtasham Hussain, Fazeel Jafri, Intazar Hussain etc. but strongly inspired by Muhammad Hassan Askari. He criticize on different approach and dislike the frequently use of literary theories in literary criticism and abominate to extract meaning from writings and then set on to interpret in some historical, psychological, philosophical, social, Marxist or any other perspective. This article explores his creative style of criticism.

Keywords: Modern Urdu Criticicm, Multi-Dimensional, Critical Technique, Creative experience, Common realities, Creative style

eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813
Received:12-04-2023
Accepted:15-05-2023
Online:30-06-2023

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

شمیم حنفی (۱۹۳۸ء- ۲۰۲۱ء) اُردو زبان و ادب کے ایسے نقادہیں جنہوں نے شعوری طور پر لگے بندھے ادبی نظریات واصطلاحات کو اپنی ادبی تنقید کا مسئلہ نہیں بنایااوراپنے منفرد اندازِ نقد واسلوب کے ذریعے ایک نئی راہ متعین کرتے ہوئے تنقید پر گہرے نقوش بھی چھوڑے ہیں۔ شمیم حنفی ایک کثیر الجہت شخصیت اور اُردو ادب و نقد کا ایک معتبر حوالہ ہیں۔ انہوں نے چالیس سے زائد تخلیقی و تنقیدی کتب تحریر کیں۔ "جدیدیت کی فلسفیانہ اساس"، "نئی شعری روایت"، "غزل کا نیامنظر نامہ"، "کہانی کے پانچ رنگ"، "شہر خوں آشام"، "سیاہ فام ادب"، "قاری سے مکالمہ"، "خیال کی مسافت"، "اقبال کا حرفِ تمنا"، "اقبال اور عصرِ حاضر کا خرابہ"، "تاریخ تہذیب اور تخلیقی تجربہ"، "غالب کی تخلیقی حسیت"، "انفرادی شعور اور اجتماعی زندگی" وغیرہ اُن کی اہم تنقیدی کتب ہیں۔ بہر حال ان کی وضاحت میں جانے کا موقع نہیں کیونکہ فی الوقت ہمارا موضوع شمیم حنفی کی تنقید نگاری کا تخلیقی اسلوب ہے۔ "اسلوب فنی تجربے کے ناگہانی یا اتفاقی حسن کے بجائے اس طویل، ارادی اور مسلسل ارتباط کو ظاہر کرتا ہے، اسے اندازِ تشکیل یا وضعیت بھی کہہ سکتے ہیں"۔(۱) اس تناظر میں شمیم حنفی کی تنقید نہ صرف قاری سے مکالمہ کرتی نظر آتی ہے بلکہ وہ قاری کو مشتعل کرنے کی بجائے اس میں ٹھہراؤ، گہرائی و گیرائی پیدا کرتی ہے۔ وہ ہمیں تنقیدی آہنگ میں چھپے تخلیقی آہنگ کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ دلکش و دلفریب، متنوع و ہمہ جہت صاحبِ اسلوب ہونا کسی بھی ادیب و نقاد کی بڑی خوبی ہے۔ شمیم حنفی کی تنقید تخلیقی متن پر ایک اور نیا تخلیقی متن قائم کرتی نظر آتی ہے۔ تنقید کی زبان حتمی، سائنسی و غیر لچکدار ہر گز نہیں ہوتی اور اگر ایسی ہو بھی تو وہ زیادہ دیر تک بامعنی نہیں رہ سکتی۔ بعض رسمی و روایتی نقادوں کے ہاں پائی جانے والی حتمیت اور قطعیت ان کی ذہنی عُسرت و قلاشی کی عکاس ہے کیوں کہ ایک بڑا نقاد تجربے میں آنے والی عام سچائیوں اور حقائق سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ وہ کسی بھی فن پارے کی تفہیم و تعبیر اور تشریح و تفسیر خالص سائنسی و قطعی انداز سے نہیں کر سکتا۔ شمیم حنفی ادبی تنقید کے بارے میں بات کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

> "میرے لیے ادبی تنقید بھی آپ بیتی ہی کی ایک شکل ہے۔ معروضیت، استدلال، وضاحت، منطق اور مفہوم و معنی کا تعین جیسے الفاظ کی اہمیت بر حق، لیکن ادب و آرٹ کی تفہیم و تعبیر کے سلسلے ان سے آگے بھی جاتے ہیں۔ رسمی اور روایتی تنقید جن حقیقتوں کو اپنی گرفت میں لیتی ہے، انسانی صورتِ حال اور تجربوں کی جس دنیا کے گرد اپنا جال پھیلاتی ہے وہ انسانی فکر، جذبے اور احساس پر وارد ہونے والے تجربوں کی آخری حد نہیں ہے"۔(۲)

تخلیق و تنقید ایک فطری عمل کی دو کڑیاں ہیں ایک رد عمل کے طور پر دوسری کو پیدا کرتی ہے۔ روایتی و رسمی، اکہرے و جامد خیالات و نظریات معاشرے میں تخلیقی و تنقیدی بانجھ پن پیدا کرتے ہیں۔ انسانی افکار، جذبات، احساسات اور تجربات وقت کے تسلسل کے ساتھ بر سر پیکار رہتے ہیں جو کہ نہ صرف تخلیق و تنقید میں جدت و تحرک، بلکہ نئے زمانے کے ساتھ ہم آہنگی بھی پیدا کرتے ہیں۔ شمیم

حنفی اُردو تنقید میں ادبی نظریات واصطلاحات (LiteraryTheories and Terms) کے بے جا استعمال، حتمیت وقطعیت کے قائل نہیں وہ ادب میں زندگی کی عام حقیقتوں کے متلاشی اور نقاد کے کھلے ذہن اور وسعتِ تناظر کی بات کرتے ہیں۔ شمیم حنفی لکھتے ہیں:

"مجھے الجھن اور بیزاری کا احساس ہوتا ہے تو علوم کی جا بے جا اصطلاحوں کے اندھا دھند استعال اور منطق کی قیل و قال سے۔ اسی لیے فنون اور سماجی علوم کے مختلف شعبوں سے حسبِ توفیق استفادہ کرتے رہنے کے باوجود، میں نہ تو اس میں کسی کا قید ہو سکا نہ ہی علوم وافکار کے معاملے میں یک رخے پن اور اختصار کا رویہ میرے لیے کبھی بھی قابلِ قبول ہو سکا"۔(۳)

آگے مزید لکھتے ہیں کہ:

"تناظر کا محدود ہونا، شخصیت کے محدود ہونے سے زیادہ افسوسناک اور مہلک بیماری ہے"۔(۴)

شمیم حنفی کا اندازِ نقد واسلوب ان کے داخلی جذبات، ذہنی میلانات اور ان کی ذات کا آئینہ ہے۔ وہ ایک بالیدہ ادبی ذوق کے مالک اور وسیع المطالعہ شخص تھے۔ انہوں نے قدیم و جدید، مشرقی و مغربی ادب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ وہ ہمیں کھلے ذہن کے ساتھ تجربے میں آنی والی سچائیوں اور حقیقتوں کو اس کے تمام تر ممکنہ امکانات، تنوعات، سطحوں اور مختلف جہتوں سے سمجھنے کی کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ شمیم حنفی اولاً ایک جدیدیت پسند نقاد ہیں انہوں نے پہلے پہل اُردو تنقید میں جدید مغربی اصطلاحات کو متعارف کرایا۔ جدیدیت کی فلسفیانہ اساس اور نئی شعری روایت جیسی کتابیں لکھ کر اپنے جدیدیت پسند ہونے کا ثبوت دیا لیکن وہ بعض جدیدیوں کی طرح ماضی کو فراموش نہیں کرتے بلکہ حال کا رشتہ ماضی سے جوڑتے نظر آتے ہیں اگر ہم انہیں کلاسیکیت اور جدیدیت کا امتزاج کہیں تو ہر گز غلط نہ ہو گا۔ شمیم حنفی کی تحریریں ان کے ہم عصر ادیبوں سے مکالمہ کرتی نظر آتی ہیں۔ انہوں نے اپنے عہد کے بہت سے ادیبوں اور نقادوں پر تنقیدی مضامین لکھے۔ ہم عصر ادیبوں پر مضامین کے حوالے سے ان کی تین کتابیں منظرِ عام پر آئیں۔ جو بالترتیب "ہم سفروں کے درمیاں"، "ہم نفسوں کی بزم میں" اور "بازارِ شیشہ گراں" ہیں چوتھی کتاب "دوستوں کے درمیان شام" کا خاکہ بھی انکے ذہن میں تھا لیکن زندگی نے وفا نہ کی۔ انہوں نے جن ہم عصروں کو اپنے خاکے اور تاثراتی و تنقیدی مضامین کا حصہ بنایا ان میں بالترتیب قرۃ العین حیدر، انتظار حسین، منیر نیازی، منیب الرحمٰن، جیلانی کامران، قاضی سلیم، محمود ایاز، من موہن تلخ، عمیق حنفی، باقر مہدی، محمد سلیم الرحمٰن، بلراج کومل، کمار پاشی، زبیر رضوی، شہریار، کشور ناہید، انور سجاد، بلراج مین را، نیر مسعود، نسرین انجم، خالد جاوید، سید معین الدین احمد قادری، فراق گورکھپوری، احتشام حسین، آل احمد سرور، خواجہ احمد عباس، راجندر سنگھ بیدی، مالک رام، دیویندر ناتھ ستیارتھی، مشرف عالم ذوقی، خلیل الرحمٰن اعظمی، سریندر پرکاش، عرفان صدیقی، زاہد ڈار، احمد مشتاق، احمد فراز، ظفر اقبال، خالدہ حسین، رام چندرن، وزیر آغا، رشید حسن خان، خلیق انجم، خلیق ابراہیم خلیق، اسلم فرخی، باقر مہدی، سحاب قزلباش، زیب غوری، شاذ

تمکنت، منیر احمد شیخ، عابد سہیل، مصحف اقبال توصیفی، الیاس احمد، ندا فاضلی، صلاح الدین پرویز، شمس الحق عثمانی، مشفق خواجہ ،شائستہ حبیب، سنت کبیر، فرحت عباس، آصف فرخی، لطف اللہ خاں کے نام شامل ہیں۔ شمیم حنفی کے ذہنی میلان و روش، سنجیدگی و متانت اور علم و ادب سے وابستگی کا اندازہ یہاں سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے جن احباب لکھاوہ سبھی یا تو تخلیقی فنکار ہیں یا نقاد۔ یہ تنقیدی مضامین ان کے اپنے عہد کے تخلیقی فن کاروں اور نقادوں سے لگاؤ، گہرے اور اٹوٹ رشتے کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ بغض و حسد، حرص و ہوس ، طمع و لالچ سے دور دور تک انہیں سروکار نہ تھا جو ادبی متن و تنقید انہیں بھاہ جاتی اس کی کھل کر تعریف و توثیق کرتے نظر آتے ہیں ایسا بہت کم ہی ہوا ہے کہ کسی نقاد نے اپنے ہم عصر ادیبوں پر اتنی شد و مد اور نیک نیتی سے لکھا ہوں۔ انہوں نے میر، سودا، ناسخ، درد، انیس، دبیر، غالب، آزاد، حالی، شبلی، اقبال، پریم چند، منٹو، ن۔م راشد، فیض، میراجی، اختر الایمان، مجید امجد اور ناصر کاظمی وغیرہ جیسے بڑے تخلیق کاروں پر تو لکھا ہی ہے اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے عہد کے چھوٹے لکھاریوں کو بھی اپنی تحریروں کا حصہ بنا کر امر کر دیا ہے۔

دوسرے قلم کاروں کی طرح کسی تخلیقی فن پارے یا ادب پارے سے مخصوص معنی اخذ کرنے اور ان کا استعمال کسی مارکسی، سماجی، تاریخ، نفسیاتی تناظر میں کرنے کے وہ سخت خلاف ہیں اور نہ ہی کچھ لکھنے سے پہلے اپنے لیے اصول وضوابط، معروضات و حوالہ جات متعین کر کے بیٹھتے ہیں۔ بلکہ ان کا احساس، شعور اور تخلیقی تجربہ ان کو جس طرف بہالے جاتا ہے وہ اس بہاؤ کے ساتھ بہتے چلے جاتے ہیں۔ کسی بھی ادب پارے، فن پارے کو جانچنے پرکھنے کا انکا اپنا ایک الگ زاویہ اور اسلوب ہے جو دوسروں سے قدرے مختلف اور منفرد ہے۔ وہ فن پارے میں کھو کر خود کو اس میں رچا بسا لیتے ہیں اور ایک نئی دنیا نکال لاتے ہیں۔ فن پارے کی پڑھت میں وہ دوسرے معتبر ادباء اور نقادوں کو نظر انداز نہیں کرتے بلکہ مماثلتوں کے انبار لگا دیتے ہیں۔ وہ خیالات و احساسات کے ایسے جنگل میں نکل جاتے ہیں جہاں سے واپس آنا اور جذبات و خیالات، احساسات و تجربات کو ایک لڑی میں پرونا ان کے لیے کہیں کہیں مشکل ہوتا دکھائی دیتا ہے لیکن وہ بڑی مہارت و یکتائی کے ساتھ بکھرتے تانوں بانوں کو ایک منزل پر لا کھڑا کرتے ہیں شمیم حنفی کا یہ تنقیدی اختصاص بھی انھیں دوسروں سے ممتاز کرتا ہے کہ وہ انفرادی شعور کی رو میں تخلیقی حسیت کو بروئے کار لاتے ہوئے، اضطراری کیفیت میں جب ایک متحیر و مبہوت کر دینے والی نثر لکھتے ہیں تو بظاہر غنائی و اُداس پر، امید سے لبریز نکھرتے خیالات و جذبات، زبان و بیاں کی طلسماتی فضا اور لطافت میں قاری کو موہ لیتے ہیں اور اس انوکھی و حیران کن، عجیب و غریب دنیا کے سفر میں قاری نہ صرف لطف و مسرت محسوس کرتا ہے بلکہ اس پر علم و دانش، فلسفہ و ادراک کے نئے در وا ہوتے ہیں۔ شمیم حنفی کی کتاب "ہم سفروں کے درمیاں" (تنقیدی مضامین) سے یہ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

> "منیر نیازی کی شاعری ہمیں ایک بھولے بھٹکے داستان گو سے روشناس کراتی ہے۔ یہ داستان گو کسی انجانی کھوج کے پھیر میں ایک روز اپنی داستان سرائے سے نکلا اور شاعری کی اقلیم میں داخل ہو گیا۔ مگر اس دارالامان میں بھی وہ سحر زدہ مبہوت اور بے چین دکھائی دیتا ہے۔ اپنے شب و روز ایسے گزارتا ہے جیسے کسی طلسم میں ہو۔ اپنی

پرانی مہمات اور تجربوں کو یاد کرتا ہے۔ اپنے گردوپیش سے اکتایا ہوا دور افتادہ پرچھائیوں کا پیچھا کرتا رہتا ہے، احساسات کی آوارگی اور باطن کی بے کلی اسے کہیں جم کر بیٹھنے نہیں دیتی۔ چنانچہ قیام میں بھی سرگرم سفر محسوس ہوتا ہے اور کسی اجنبی دنیا کا باسی نظر آتا ہے۔ اس کی بستی، اس کی اپنی بستی ہے، مختلف اور نامانوس مناظر سے معمور۔ اس کا گھر اور اس کے دیوار و در الگ ہیں"۔(۵)

آگے مزید لکھتے ہیں:

"یہ عالم آب و سراب، یہ دنیا جو کبھی ایک جادو نگری تھی یا رازوں سے بھرا ایک بستہ اور تعمیر کی طلب میں بالآخر اس انجام کو پہنچی جو آج سامنے ہے اور جس نے اس کے سارے رمز چھین لیے ہیں۔ منیر نے اسی عالم کے اندر ایک اور عالم ایجاد کر لیا تھا جس میں جیتی جاگتی مانوس شبیہوں کے ساتھ موہوم پرچھائیوں، اپسراؤں، کٹنیوں، اجنبی سیاحوں، جادوگرنیوں اور کسی خیال آباد کے باشندوں کی آمد و رفت بھی جاری تھی۔ وہ سلسلہ رکا تو منیر کی تخلیقی تگ و دو پر بھی افسردگی اور اضمحلال کے آثار نظر آنے لگے"۔(۶)

قاضی سلیم پر اپنے مضمون کا آغاز کچھ اس طرح کرتے ہیں:

"ایک آواز جو اکثر بے ارادہ، بغیر کسی کوشش کے، یوں ہی اکیلے بیٹھے بیٹھے، اچانک میرے کانوں میں گونجنے لگتی ہے، ایک مراٹھی جوگی کی ہے۔ یہ آواز میں نے آج سے تقریباً پینتیس برس پہلے، اندور میں سنی تھی۔ ان دنوں میں تنہا رہتا تھا۔ گرمیوں کی ایک سہ پہر تھی جب سناٹے میں اچانک ایک آواز گونجی اور میں چونک کر اٹھ بیٹھا۔ میرے مکان کی چھت سے بندھیاچل کی چوٹیاں دکھائی دیتی تھیں۔ پاس سے ایک پہاڑی ندی گزرتی تھی، بہت چھچلی اور پرشور، جس میں جا بجا چھوٹے بڑے بہت سے پتھر پڑے ہوئے تھے اور ذرا سی ہوشیاری کے ساتھ اسے پیدل بھی پار کیا جا سکتا تھا۔ اس گیت کے بول میری سمجھ میں نہ آئے۔ پھر بھی، کوئی تو بات تھی کہ جوگی کی آواز کے ساتھ دل میں اترتی جاتی تھی"۔(۷)

عمیق حنفی پر مضمون لکھتے ہوئے:

"مدھیہ پردیش میں شہر اندور سے لگ بھگ چودہ میل کے فاصلے پر بندھیاچل کی بھوری اور مٹ میلی پہاڑیوں کے دامن میں ایک بستی ہے، مہو چھاؤنی۔ انگریزی عہد میں اس علاقہ کا نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ کسی زمانے میں یہاں سر ونسٹن چرچل بھی آ کر رہے تھے۔ صاف و شفاف سڑکیں، بارونق بازار، فوجیوں کی بارکیں اور افسروں

کے لیے طویل بر آمدوں، کشادہ کمروں اور موٹی دیو ہیکل دیواروں کے بنگلے، چاروں طرف سے ہرے بھرے سایہ دار درختوں اور سبزہ زاروں میں گھرے ہوئے کچھ ہی دوری پر پاتال پانی کا جھرنا"۔(۸)

شمیم حنفی نے ایسی کسی شخصیت کو اپنی تحریروں کا حصہ نہیں بنایا جو انہیں پسند نہ ہو یا اُن کی شخصی ترجیحات کا حصہ نہ ہوں۔ وہ میرا جی سے بہت متاثر نظر آتے ہیں۔ ان کا خیال ہے میرا جی کو آسانی سے گرفت میں نہیں لایا جا سکتا وہ ایک ایسی پر اسرار شخصیت ہے کہ ان تک پہنچنے کے لیے مختلف روایتوں، سماجی و معاشرتی ماحول اور عام انسانی تجربوں کی چھان پھٹک کرنی پڑتی ہے۔ اپنی کتاب "خیال کی مسافت (تنقیدی مضامین)" میں شامل مضمون "میرا جی اور ان کی شاعری کی بنیادیں" میں میرا جی پر بات بڑے تخلیقی انداز میں شروع کرتے ہیں۔ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"میرا جی کی شخصیت اور شاعری، دونوں کے گرد ایک دھند سی پھیلی ہوئی ہے، جیسے جھٹ پٹے کے وقت کا منظر جب چیزیں اپنی اصل سے کچھ مختلف دکھائی دیتی ہیں۔ پیکر پر چھائیاں بن جاتے ہیں اور آواز سرگوشی۔ ایسے میں چیخ بھی سنائی دے تو بتدریج گہراتے ہوئے اندھیرے میں نوک خنجر کی طرح اتر جاتی ہے اور سننے والوں کے لیے رمز بن جاتی ہے۔ میرا جی نے غزل، نظم، گیت میں جو کچھ بھی لکھا اس کی ایک الگ پہچان ہے"۔(۹)

مندرجہ بالا اقتباسات میں شمیم حنفی جس انداز میں الفاظ کا چناؤ کرتے ہوئے انہیں نئے رنگ و آہنگ، متنوع معنوں میں فراوانی کے ساتھ پیش کرتے ہیں، قاری کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ ان کا خوبصورت انداز میں مختلف الفاظ کا استعمال، ان کے تخلیقی فن کی اُپج، ان کا تشبیہاتی و استعاراتی، اشاراتی و کنایاتی اسلوب، محاوروں، زمروں اور مختلف الفاظ کو نئے رنگ وڈھنگ نئے معنوں میں پیش کرنا، انکے تخلیقی فن ومہارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ان کی تنقیدی نثر محض تنقیدی نہیں رہتی وہ تخلیقی نثر کی عمدہ مثال بن کر ہمارے سامنے آتی ہے شمیم حنفی کو ایک تخلیقی نقاد کہا جائے تو غلط نہ ہو گا جو اپنے تخلیقی فن کے طلسماتی سحر میں قاری کو اس طرح جکڑتے ہیں کہ وہ اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے مگر اس حواس باختگی میں اس پر علم و حکمت، فہم و فراست، بصیرت و شعور کی اک نئی اور انوکھی دنیا عیاں ہوتی ہے۔ شاعری کی تنقید ہو یا فکشن کی، تہذیب و ثقافت کے موضوعات ہوں یا تخلیقی ادب کی بات شمیم حنفی اپنی راہ کے رہرو ہیں نہ تو انہیں کسی نظام تنقید سے کوئی علاقہ ہے اور نہ ہی کسی مخصوص نظریے کے زیر اثر خود کو لانا چاہتے ہیں وہ انفرادیت کی بنیاد پر نظام ادب و نقد کی عمارت کو استوار کرتے ہیں شمیم حنفی کی کتاب "ہم نفسوں کی بزم میں" سے یہ اقتباس دیکھئے:

"برف باری دیر سے ہو رہی تھی۔ جہاں تک نگاہ جاتی تھی آسمان سے سفید پتیاں سی گرتی دکھائی دیتی تھیں۔ لوگ گھروں میں ٹھٹھرے سمٹے بیٹھے تھے۔ دور اور پاس کے سارے پربتوں پر ایک دھند سی چھائی ہوئی سامنے سڑک پر اِکا دُکا راہ گیر چھتری سنبھالے، فرن میں ملفوف تیز تیز قدموں سے چلتا پل بھر کے لیے نظر آتا پھر گم

ہو جاتا۔ کمرے میں بخاری جل رہی تھی۔ اندر اور باہر کے درجہ حرارت میں فرق کا اندازہ اس وقت ہوا جب ہم بر آمدے میں آئے"۔(۱۰)

شمیم حنفی کے تنقیدی مضامین رسمی تنقید نگاری سے یکسر مختلف نظر آتے ہیں۔ وہ اکثر اپنے مضامین کی شروعات کسی ڈائری کے ورق، یادداشت، نجی واقعے یا کسی مغربی فلسفی و دانشور کے قول سے کرتے ہیں۔ رواں دواں اسلوب اور دلفریب تحریر قاری کو اس گماں میں ڈال دیتی ہے کہ وہ کوئی تنقیدی مضمون نہیں بلکہ کسی تخلیقی فن پارے کا مطالعہ کر رہا ہے تحریروں کی پرتیں آہستہ آہستہ کھلتی ہیں اور قاری خود کو علم و ادب کی آگہی و بصیرت کی دنیا میں محو پاتا ہے۔ شمیم حنفی گو کہ فلسفے کے کوئی باقاعدہ طالبِ علم نہیں تھے۔ لیکن ان کا اندازِ نقد و ادب فلسفیانہ روپ اختیار کرتا دکھائی دیتا ہے ان کی سنجیدگی و متانت، واقعہ بیانی، آہستہ روی اور تجرباتی احساس ادب کی تفہیم و تعبیر میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ مثلاً اظہر علی فاروقی ہوں یا انتظار حسین ان پر لکھتے ہوئے شمیم حنفی اپنے مضمون کا آغاز ذاتی واقعے سے کرتے ہیں۔ لیکن جوں جوں قاری آگے بڑھتا ہے ان کی تصاویر تمام پہلوؤں سے عیاں ہو جاتی ہیں جو انکی مکمل شخصیت کی عکاسی کرتی ہیں۔

شمیم حنفی کا مزاج ادب میں بھلے ہی نرم خو، نرم رو ہے لیکن ادب میں کسی بھی قسم کے سمجھوتے کے ہرگز قائل نہیں۔ وہ شائستگی، آہستہ روی، نرم گفتاری کے پیرائے میں اپنے دوٹوک موقف سے کبھی پیچھے نہیں ہٹتے۔ شمیم حنفی کی کتاب "ہم نفسوں کی بزم میں" سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> "مجھے انسانی ہستی کے مختلف مظاہر، مختلف زمانوں، تجربوں، تضادات اور تصورات کو ایک سلسلے کے طور پر دیکھنے کی عادت ہے۔ جہاں تک شخصی ترجیحات کا تعلق ہے تو اس معاملے میں میری اپنی کچھ مجبوریاں بھی ہیں۔ لیکن میرے وجدان میں اتنی لچک ضرور ہے کہ ایک دوسرے سے بظاہر الگ دکھائی دینے والے تجربوں، عام انسانی صورتحال سے وابستہ مختلف سچائیوں اور بظاہر ایک دوسرے سے نبرد آزما نظریوں کو آنکھیں بند کر کے قبول کرنے یا یکسر مسترد کرنے کی عام روش سے خود کو بچائے رکھوں"۔(۱۱)

شمیم حنفی کا تنقیدی سفر ترقی پسندی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے اُن ادوار پر مشتمل ہے جب نظریاتی مباحث مناظرے کی صورت اختیار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ادبی معاشرے میں شمیم حنفی کی جو ترجیحات ہیں وہ ان کے ادبی و تنقیدی فن سے عیاں ہیں۔ شمیم حنفی نے ہمیشہ اپنی ترجیحات پر زور دیا۔ ضروری نہیں کہ ادیب و نقاد کی ہر تحریر اس زمانے کے پورے ادبی و تنقیدی معاشرے کو متاثر کرے۔ ممکن ہے کہ اس کی تحریروں میں ایک جیسے نتائج مجتمع ہوئے ہوں جو قاری کے معیار پر پورا نہ اترتے ہوں اور قاری اس سے زیادہ کی توقع رکھتا ہو۔ لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کوئی ادیب و نقاد اپنے زمانے کے ادبی و تنقیدی حلقے کو کس قدر اور کتنا متوجہ اور متاثر کرتا ہے۔ شمیم حنفی پریم چند کی تحریروں کے حوالے سے کہتے ہیں کہ انہوں نے بے شمار تحریریں لکھیں لیکن سب کو وہ پذیرائی نہیں ملی ان کے

پندرہ یا بیس افسانے ایسے شاندار ہیں کہ ہم ان کو بین الاقوامی ادب کے ساتھ رکھ سکتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ باقی کم پسندیدہ تحریروں کی وجہ سے وہ ایک بڑا ادیب نہیں بلکہ اس کا تعلق قاری کے ذوق، احساس، ماحول اور تجربے سے ہے۔ ایک اچھا قاری ہی اچھا نقاد ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک نقاد کے ہاں جس ادب پارے، فن پارے کی کوئی وقعت نہ ہو دوسرے کے ہاں وہ شاندار متصور ہو۔ اس کا تعلق نقاد کی اپنی ترجیحات و تعصبات، پسند و ناپسند، خیالات و نظریات، احساسات و تجربات ثقافت و تہذیب سے ہوتا ہے۔ شمیم حنفی اپنی آئیڈیالوجی کو دوسروں پر مسلط نہیں کرتے اور نہ ہی دوسروں کے اصرار پر اپنی کسی رائے کو بدلتے اور اپنے موقف سے پیچھے ہٹتے نظر آتے ہیں۔ اپنی کتاب "دوکان شیشہ گراں" کے پیش لفظ میں اپنی تحریروں کے حوالے سے اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ:

> "میں چاہتا ہوں کہ اس کتاب میں شامل تحریروں کو کسی کتاب یا مصنف کے تنقیدی تجزیے کی حیثیت سے نہ دیکھا جائے تجزیے کے لیے ایک خاص طرح کی معروضیت اور میکانکی نظر درکار ہوتی ہے۔ جو میرے پاس نہیں ہے لیکن یہ تحریریں صرف تاثرات بھی نہیں ہیں"۔**(۱۲)**

اس اقتباس سے شمیم حنفی کے تنقیدی نقطۂ نظر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تنقید میں وہ نہ تو معروضیت و قطعیت کے قائل ہیں اور نہ ہی مخصوص نظریات و اصطلاحات کے۔ بلکہ یوں کہیں کہ وہ ایک غیر روایتی قسم کے منفرد نقاد ہیں جو اپنا ایک الگ تصورِ نقد رکھتے ہیں۔

تنقید پر اتنا کچھ لکھنے کے باوجود شمیم حنفی کا کہنا ہے کہ ان کی تحریروں کو بطور تنقیدی مضامین نہ پڑھا جائے۔ آصف فرخی کو دیئے جانے والے ایک انٹرویو میں انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ انہیں خود کو نقاد کہلوانے اور بروز محشر نقادوں میں اٹھائے جانے سے خوف آتا ہے۔ یہ ایک نقاد کی اعلیٰ ظرفی کی مثال ہے کہ وہ اچھا نقاد ہونے کے باوجود خود کو ناقدین میں شمار نہ کرے۔ کلاسیکی شاعری کے حوالے سے شمیم حنفی کے خیالات شمس الرحمن فاروقی سے قدرے مختلف نظر آتے ہیں، بعض کلاسیکی شعرا جن پر فاروقی صاحب نے بڑی شد و مد سے لکھا شمیم حنفی نے در خورِ اعتنا نہ سمجھتے ہوئے ان پر زیادہ بات نہیں کی۔ شمیم حنفی ادبی تنقید میں محمد حسن عسکری کے بہت قائل ہیں وہ عسکری صاحب کے انداز نقد و اسلوب سے بے حد متاثر نظر آتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ وہ باقی نقادوں مثلاً کلیم الدین احمد، احتشام حسین، وارث علوی، فضیل جعفری، گوپی چند نارنگ، وزیر آغا اور انتظار حسین وغیرہ کو پسند نہیں کرتے اور ان کی تنقیدی خدمات کے وہ معترف نہیں بلکہ احتشام حسین اور انتظار حسین سے تو ان کے گہرے مراسم رہے۔ انتظار حسین بھی شمیم حنفی کی تنقید کے قائل ہیں، اس جگہ انتظار حسین کی ایک تحریر کا اقتباس بر محل لگتا ہے جس میں وہ شمیم حنفی کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> "شمیم حنفی کی تنقید کے ساتھ ایک دقت یہ ہے کہ وہ خالص ادبی تنقید نہیں ہوتی۔ خیر ترقی پسند نقاد تو اس نظریے کے ساتھ اپنے مطالعے کا آغاز کرتا ہے کہ ادب کو عصری حقیقتوں کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھنا چاہیے سو

اس کی تنقید میں عصری حقیقتیں، جب اس نے انہیں سمجھا تھا، غالب نظر آتی تھیں۔ ادبی معیار کا حوالہ آیا آیا نہ آیا۔ شمیم حنفی نے ایسا کوئی نظریہ اپنی تحریر کے لیے وضع نہیں کیا ہے۔ مگر ہو تا یوں ہے کہ جب وہ ادبی مطالعہ کرنے بیٹھتے ہیں تو بہت سی عصری حقیقتیں کچھ تاریخ، کچھ تہذیب، غرض بہت سے معاملات و مسائل اس مطالعے میں لپٹے چلے آتے ہیں"۔**(۱۳)**

تقریباً نصف صدی پر محیط ان کے تنقیدی سفر میں ان کی جتنی کتابیں بھی شائع ہوئیں ان سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شمیم حنفی نے خود کو میدان نقد و ادب میں کسی مخصوص صنف یا ہیئت تک محدود نہیں رکھا انہوں نے مختلف میدانوں میں طبع آزمائی کی اور حد درجہ کامیاب بھی رہے اور یہی وجہ ہے کہ جب کوئی نقاد جو اچھا ادیب بھی ہو تنقید لکھنے بیٹھتا ہے تو اس کا اسلوب خالص تنقیدی ہونے کی بجائے تخلیقی ہو جاتا ہے اور وہ اپنی تخلیقی حسیت کو بروئے کار لاتے ہوئے نئی جہات، رجحانات، تجربات و امکانات پر بات کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کے خیالات کی وسعت اسلوب کو پاؤں کی زنجیر نہیں بناتی۔ شمیم حنفی نے بعض ناقدین کی طرح تھیوریز کی گردان نہیں پڑھی۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ اس کا علم و اہلیت نہیں رکھتے بلکہ یہ کہ وہ اسے درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔ شمیم حنفی نظریاتی سطح پر ترقی پسند نقاد نہیں لیکن ان کی بعض تحریروں پر ترقی پسند تنقید کی چھاپ نظر آتی ہے۔ اس کی وجہ کوئی شعوری کوشش نہیں بلکہ غیر شعوری عمل ہے۔

محمد حسن، علی سردار جعفری، ممتاز حسین جیسے ترقی پسند نقادوں کی تحریریں عام انسانی تجربات، انسانی سروکار، زندگی کی سچائیوں اور گہرائیوں کی بنا پر انہیں زیادہ متاثر کرتی نظر آتی ہیں شمیم حنفی نے اپنی تنقیدی و تخلیقی نگارشات میں کشادہ نظری اور وسعت ذہنی کے قائل ہیں وہ نظریاتی اصطلاحوں سے بھرپور مضامین لکھنے کی بجائے تنقید میں ہمہ پہلو نقطۂ نظر کو بروئے کار لاتے ہیں۔ خالد جاوید اپنے ایک مضمون "اُردو تنقید کا آوٹ سائیڈر" میں شمیم حنفی کے بارے میں لکھتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کچھ اس طرح سے کرتے ہیں:

"دراصل وجودی طرز احساس اور فکر نے شمیم حنفی کی تنقید کو جس طرح متاثر کیا اس کی دوسری مثال اُردو میں نہیں پائی جاتی۔ یہ تنقید بجائے خود ایک آوٹ سائیڈر کی تنقید ہے۔ آؤٹ سائیڈر ہمیشہ ہی نابغۂ روزگار ہوتا ہے۔ وہ اپنے سے قبل چلتی آرہی عمومی صورتحال کو درھم برھم کر دیتا ہے۔ ادب، فن، تنقید اور علم کے میدان میں آوٹ سائیڈر کا ایک کارنامہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ جس صنف سے تعلق رکھتا ہے اس کے بعد اس کے ارتقاء کی راہیں ایک طرح سے روایتی خطوط پر آگے بڑھنے کے لیے مسدود ہو جاتی ہیں۔ اُردو میں ادبی تنقید کو شمیم حنفی نے جس بلندی پر پہنچا دیا ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس سے بہتر اور اعلیٰ تنقیدی کارنامے کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی"۔**(۱۴)**

اُردو کے جن معدودے چند ادبی نقادوں کے بغیر ہماری ادبی تنقید کی روایت یک رخ پن، غیر لچکدار رویے اور افراط و تفریط کا شکار نظر آتی ہے اُن میں سے ایک شمیم حنفی ہیں۔ بیسویں صدی کی پانچویں دہائی کے بعد ترقی پسند نظریے و ادبی معیارات سے انحراف کی سعی تو کی گئی لیکن اس کے بعض خصائص کو ادبی روایت میں سرایت سے روکا نہ جاسکا اور نہ ہی مداوا کی کوئی شعوری کوشش سامنے آئی۔ ترقی پسند نقادوں نے سب سے پہلے فن پارے کو تھیوریز، نظریات اور معاشی و سیاسی اصطلاحات کی قبا پہنائی اور آگے چل کر ان کے خلاف رد عمل کا سبب بھی یہی تھا۔ انحراف کے بنیادی محرکات میں نقطہ نظر کا تنوع، انفرادی تجربات، اسالیب کا اختلاف، ادبی رجحانات، مختلف النوع موضوعات، مناسب ہئیتوں کا استعمال، شخصی ترجیحات اور انفرادی شعور شامل تھا۔ پھر ان کی جگہ جدیدیت پسند ناقدین نے لے لی۔ انہوں نے ادب و نقد کے لیے مخصوص نظریات و قواعد وضع کئے اور ان کے تحت ادب کو تخلیق کرنے اور پرکھنے کی روش ڈالی۔ جدیدیت کے بعد مابعد جدیدیت کا پرچار ہونے لگا اور دنیائے نقد و ادب میں ایک نئی بحث چھڑ گئی۔ جب کوئی تخلیق کار یا نقاد مخصوص نظریات و اصطلاحات یا متعلقہ و غیر متعلقہ اصول و قواعد کے حصار میں تنقیدی اور تخلیقی کوشش کرتا ہے تو تخلیق و تنقید دونوں کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے یہاں اگر شمیم حنفی کو دیکھتے ہیں تو انہوں نے اپنی راہ خود متعین کی ہے نہ تو وہ کسی مخصوص نظریے، ہیئت یا اصطلاح کی پیروی میں مشق نقد و ادب کرتے نظر آتے ہیں اور نہ ہی وہ کسی لگی بندھی نظریاتی سوچ کے قائل ہیں۔ پروفیسر عتیق اللہ کے مطابق:

> "شمیم حنفی نے جدید تھیوری، نئے ادبی نظریات و اصطلاحات کے استعمال اور ان کی روشنی میں ادب کی تفہیم کے طریقوں پر بارہا نکتہ چینی کی ہے اور اکثر اپنی تفہیم کے عمل میں ان سے بچنے کی کوشش بھی کی ہے"۔**(۱۵)**

شمیم حنفی کی اس حوالے سے اپنی کچھ شخصی ترجیحات اور مجبوریاں ہیں ان کے ہاں پسند ناپسند، انسانی تجربات، انسانی سروکار، احساسات و جذبات اور انفرادی شعور بڑے بامعنی ہیں۔ ان کے نظر میں ایسی تحریروں کی کوئی اہمیت نہیں جن سے انکا کوئی بامعنی رشتہ قائم نہیں ہوتا۔ شمیم حنفی کا امتیاز ادب کو ایک قاری کے طور پر دیکھنا ہے۔ سرور الہدیٰ اپنی مرتبہ کتاب "شمیم حنفی تنقید کا تخلیقی آہنگ" میں شمیم حنفی کی تنقید کے اسلوب کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار اس طرح سے کرتے ہیں:

> "شمیم حنفی کی تنقید کو پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ نقاد اور قاری تخلیق کے باہر نہیں بلکہ اندر ہے جس طرح ہم یہ کہتے ہیں کہ کوئی زبان سے باہر نہیں ہے۔ شمیم حنفی کی تنقید ایک معنی میں مصنف دوم کا کردار بھی ادا کرتی ہے۔ مصنف دوم کوئی بھی باشعور قاری یا نقاد ہو سکتا ہے جو متن کو اپنے طور پر پڑھتا ہے۔ مصنف اول کی ارادی معنویت سے کوئی مطلب نہیں شمیم حنفی مصنف دوم کے طور پر متن کی جس طرح تفہیم و تعبیر کرتے ہیں وہ خود ایک پر اسرار عمل کا حصہ معلوم ہوتا ہے اور اس طرح وہ مصنف دوم میں مصنف اوّل کا تاثر بھی پیش کرتے ہیں"۔**(۱۶)**

ادب و تنقید سے شمیم حنفی کا رشتہ نصف صدی سے زائد کا ہے ابتداء میں ان کا رجحان و میلان جدیدیت کی طرف زیادہ رہا لیکن گزشتہ تین چار دہائیوں سے ان کی تنقیدی تحریریں اُردو کی عام تنقیدی روش سے یکسر مختلف نظر آتی ہیں۔ وہ آئیڈیالوجی اور تھیوریز کی دنیا میں خود کو الجھانے کی بجائے ادب کی مختلف انداز میں قرأت کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ادب کا ایک قاری سمجھتے ہیں اور کوئی ادب پارہ جس طرح سے انہیں متاثر کرتا ہے۔ ان کی تخلیقی حسیت و تجربہ میں آتا ہے اس طرح اس پر لکھتے ہیں وہ ان تحریروں کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے جو قاری اور متن کے درمیان بامعنی رشتہ قائم نہیں کرتیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ان کی تنقید میں بھی تخلیق کی آہٹ محسوس ہوتی ہے اور خود شمیم حنفی بھی اسے کوئی برائی نہیں سمجھتے۔ ثاقب فریدی کو دیے گئے انٹرویو میں وہ برملا کہتے ہیں:

"تخلیقی انداز کا آنا تنقید میں، میں اسے کوئی برائی نہیں سمجھتا"۔**(۱۷)**

تنقید کے دامن میں اس حد تک وسعت و لچک ہونی بھی چاہیے۔ یہ سائنس (جس کا تعلق قطعی، اٹل اور سخت گیر قوانین سے ہوتا ہے) نہیں بلکہ تنقید ہے جس کا تعلق ادب سے اور ادب کا تعلق زندگی سے یعنی انسانی رویوں، رجحانات، عام تجربات، شخصی ترجیحات، جذبات و احساسات سے ہوتا ہے جو وقت کے ساتھ کئی طرح کے تغیر و تبدل سے گزرتے ہیں، لہٰذا ادبی و تنقیدی معاشرہ شمیم حنفی کی تحریروں کو کس میلان و رجحان یا کس درجہ و سطح پر رکھتا ہے اس کا فیصلہ وقت پر چھوڑ دیتے ہیں۔ کوئی ان کے اندازِ نقد کو گفتگو کہے مکالمہ کہے یا قصہ گوئی لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عصر حاضر کے ادبی و تنقیدی منظر نامے میں اپنے تخلیقی انداز و اسلوب کی بنا پر شمیم حنفی ایک منفرد اور معتبر مقام پر براجمان ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ وحید اختر، فلسفہ اور ادبی تنقید، مرتبہ: کلیم الٰہی امجد، (کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۲۱ء)، ص۵۲۷

۲۔ شمیم حنفی، انفرادی شعور اور اجتماعی زندگی، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۸ء)، ص۹

۳۔ ایضاً، ص۹۔۱۰

۴۔ ایضاً، ص۱۰

۵۔ شمیم حنفی، ہم سفروں کے درمیان، (لاہور: القا پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء)، ص۳۲

۶۔ ایضاً، ص۴۳

۷۔ ایضاً، ص۵۸

۸۔ ایضاً، ص۹۵

۹۔ شمیم حنفی، خیال کی مسافت، (کراچی: شہر زاد پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ص ۱۳۱۔۱۳۲

۱۰۔ شمیم حنفی، ہم نفسوں کی بزم میں، (لاہور: القا پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء)، ص ۳۷

۱۱۔ ایضاً، ص ۲٦۸

۱۲۔ شمیم حنفی، دوکان شیشہ گراں، (نئی دہلی: انجمن ترقی اُردو (ہند)، ۲۰۰۸ء)، ص ۹۔۱۰

۱۳۔ شمیم حنفی، تاریخ تہذیب اور تخلیقی تجربہ، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰٦ء)، ص ۱۱

۱۴۔ خالد جاوید، اُردو تنقید کا آوٹ سائیڈر، مشمولہ: چہار سو، (راولپنڈی، مئی۔جون ۲۰۱۷ء)، جلد ۲٦، ص ۲۵

۱۵۔ عتیق اللہ، دیکھو ہم نے کیسے بسر کی اس آباد خرابے میں، مشمولہ: ششماہی غالب نامہ، (نئی دہلی، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۲ء)، جلد ۴، شمارہ ۲، ص ۴۱

۱٦۔ سرور الہدیٰ، تنقید کا تخلیقی آہنگ (مرتبہ)، (لاہور: صریر پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء)، ص ۹

۱۷۔ سید ثاقب فریدی، پروفیسر شمیم حنفی سے گفتگو، مشمولہ: سہ ماہی اُردو ادب، (نئی دہلی، انجمن ترقی اُردو، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۷ء)، جنوری تا مارچ ۲۰۱۸ء، جلد ٦۱۔٦۲، شمارہ ۲۴۴۔۲۴۵، ص ۸۴